خطابِ عید

مولانا سیّد جلال الدین عمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ عید الفطر

مسجد اشاعت اسلام (ٹرسٹ) جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

(۱۸ر جولائی ۲۰۱۵)

بعد حمد و صلوٰۃ۔

اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (آل عمران:۲۰۰)

بزرگو، بھائیو اور عزیزو! ماؤو، بہنو اور بیٹیو! آج عید کا دن ہے۔ میں آپ سب کو دلی کی گہرائیوں سے عید کی مبارک باد دیتا ہوں۔ عید میں خوشی منانا سنت ہے۔ ہم سب اسی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور بہت سی عیدیں نصیب فرمائے۔ ہم نے جس طرح رمضان المبارک میں روزے رکھے، فرض

نمازوں کے ساتھ نوافل کا اہتمام کیا، قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کی، اسے سمجھنے اور سمجھانے کی اپنی سی سعی کی، ادائے زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کی طرف بھی کسی درجہ میں توجہ رہی، اس کا سلسلہ جاری رہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین پر زیادہ سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

عید، خوش گوار اور موافق حالات میں بھی آتی ہے، ناپسندیدہ اور دشوار حالات میں بھی آتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موجودہ حالات عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی مسلمانوں کے لیے کچھ زیادہ سازگار نہیں ہیں۔

ہمارا یہ ملک دنیا کا ایک عظیم ملک ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں اسے نمایاں مقام حاصل ہے۔ ہم اس کے شہری ہیں۔ ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ہمیں کسی بھی دوسرے شہری کی طرح تمام دستوری حقوق حاصل ہیں۔ لیکن دستور پر صحیح معنی میں عمل کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں محبت کا ماحول، خوش گوار فضا اور ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے اور انہیں ادا کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ اس کے برخلاف ملک میں تعصب، عداوت، نفرت اور بے اعتمادی کا ایسا ماحول پایا جاتا ہے کہ یہاں کی اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں کو یہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ بعض اوقات کسی حق کے حاصل کرنے کے لیے طویل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ ملک میں مسلمان اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں یا اپنے ساتھ ہونے والی حق تلفی اور ناانصافی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں تو یہ ان کا فطری اور قانونی حق ہے۔ اس سے انہیں منع نہیں کیا جاسکتا۔ اسے جاری رہنا چاہیے۔ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کسی کو اس کا حق دینا اس پر احسان نہیں ہے، بلکہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب کے ساتھ مساوات کا رویہ اختیار کرے اور کسی کو محرومی احساس نہ ہونے دے۔

اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً پندرہ کروڑ

ہے۔۔۔۔ مسلمانوں کا اندازہ اس سے زیادہ ہے۔۔۔۔ اتنی بڑی آبادی کو جب آپ ان کے فطری حقوق سے محروم کرتے ہیں اور انہیں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع فراہم نہیں کرتے تو اس میں ان کے نقصان کے ساتھ ملک کا بھی خسارہ ہے۔ ملک ان کی صلاحیتوں سے محروم ہو رہا ہے۔ وہ جو کچھ ملک کی فلاح کے لیے کر سکتے ہیں انھیں اس کے مواقع نہیں مل رہے ہیں۔ کسی ملک کی اتنی بڑی آبادی پیچھے رہ جائے تو وہ صحیح معنی میں ترقی نہیں کر سکتا اور نہ اسے ترقی یافتہ کہا جائے گا۔ اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے ملک کا نظام غلط رخ اختیار کرتا ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے حقوق کا ضائع ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دستور نے اسے عدل وانصاف کی جو ضمانت دی ہے اس پر سے اس کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے اور وہ اپنے آپ سے اور ملک کے نظام سے مایوس ہو رہا ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ اس سے کسی بہتر اور بڑی خدمت کی توقع مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دہشت گردی سے دنیا کے بہت سے ممالک متاثر ہیں اور اپنے اپنے انداز میں اس کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارا ملک بھی دہشت گردی کے مسئلہ سے دوچار ہے۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے۔ لیکن اس الزام میں زیادہ تر مسلمان نوجوانوں ہی کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اس سے پوری ملت پریشان ہے۔ ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کروڑوں کی آبادی میں چند سو یا چند ہزار افراد اس الزام میں گرفتار ہیں تو اتنی بڑی آبادی کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ہر مسلم نوجوان یہ خطرہ محسوس کرتا ہے کہ کل اسے دہشت گرد نہ قرار دیا جائے اور سالہا سال اسے مقدمات کا اور عدالتی کارروائیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ماحول ایسا پیدا کر دیا گیا ہے کہ کسی نوجوان کا محض مسلمان ہونا ملازمتوں میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ ملٹی نیشنل اور پرائیوٹ کمپنیاں

اس کا خیال نہیں کرتی تھیں۔ اب وہ بھی مسلم اور غیر مسلم کا فرق کرنے لگی ہیں اور مسلمان ہے تو اسے جگہ دینے میں انھیں تامل ہوتا ہے۔

اس صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے ملک میں جو عام بے چینی اور اضطراب ہونا چاہیے وہ دیکھنے میں نہیں آرہا ہے۔ اس کے لیے خود آپ کو فکر کرنی ہوگی اور ان سب لوگوں کا تعاون حاصل کرنا ہوگا جو آپ کے احساسات میں شریک ہیں اور آپ سے ہم دردی رکھتے ہیں۔ لیکن اصل کوشش آپ ہی کو کرنی ہوگی۔ آپ کی پریشانیوں سے ضروری نہیں کہ کوئی دوسرا بھی پریشان ہو یا ان کی شدت کو آپ کی طرح محسوس بھی کرے۔ اگر آپ خاموش ہوں گے تو کوئی دوسرا ان مسائل کو نہیں اٹھائے گا۔ ہاں! آپ کے ساتھ ہم دردی رکھنے والے افراد اور جماعتیں یقیناً موجود ہیں۔ ان سے آپ کو ضرور تعاون حاصل کرنا چاہیے۔

مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں اور جس ملک میں بھی رہتے ہوں ان کی اصل حیثیت ایک ایسی امت کی ہے جو اسلام پر ایمان رکھتی ہے اور اسے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دنیا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ تصور کرتی ہے۔ اس ملک کے مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان کی یہ شناخت یہاں باقی رہے۔ انھیں اسلام پر عمل کی آزادی اور اس کی دعوت و تبلیغ کا حق حاصل ہو۔

اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں:

ایک یہ کہ ہم خود اسلام کے پابند ہو جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک سیکولر ملک ہے۔ اس میں اسلام کے بعض احکام پر آپ عمل کر سکتے ہیں اور بعض پر عمل کے مواقع آپ کو حاصل نہیں ہیں، لیکن اس میں از روئے دستور فرد کو 'مذہبی آزادی' حاصل ہے۔ آپ اسلامی عبادات پر عمل کر سکتے ہیں، مساجد کی تعمیر کر سکتے ہیں، دینی تعلیم کا نظم کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کا نظام قائم کر سکتے ہیں، صاحب حیثیت افراد فریضۂ حج

ادا کر سکتے ہیں۔ سوچیے، اس پر عمل کیوں نہیں ہوتا؟ اس میں کوتاہی ہے تو کس وجہ سے ہے؟ 'مذہبی آزادی' کے تحت آپ اپنی عائلی زندگی میں احکام شریعت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور اپنی ذمہ داری ادا کریں، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ہو اور رشتہ داروں کی خدمت کی جائے۔ اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو شریعت کی روشنی میں اسے حل کیا جائے اور آپ کا خاندان صحیح معنی میں اسلامی خاندان بن جائے۔ اگر یہ نہیں ہو رہا ہے تو غور کیجیے! اس میں قصور کس کا ہے؟ اسی طرح ملک کا کون سا قانون منع کرتا ہے کہ آپ اپنے کاروبار، ملازمت اور کسب معاش میں راست بازی، ایفاءِ عہد، دیانت و امانت کے پابند ہوں، مکر و فریب اور رشوت سے احتراز کریں، حلال راستہ سے کمائیں اور جائز طریقہ سے صرف کریں۔

اسلام نے حسن اخلاق کی تعلیم دی ہے اور اس کی تاکید کی ہے۔ آپ اپنی زندگی سے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کریں۔ محبت، ہمدردی، اخلاص، خدمت، عفت اور پاک دامنی، پڑوسیوں کی خبر گیری اور ان کے دکھ درد میں کام آنا، اس طرح کی خوبیاں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہیں اور ان سے دوسرے انسان بھی متاثر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے انسان کے اعلیٰ اخلاق و کردار کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مکہ میں جو اہل ایمان تھے، ان کی زندگیاں عملاً اس کا ثبوت فراہم کر رہی تھیں۔ مخالفین بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں یہ کہنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ اسلام کا نام لینے والے اخلاقی لحاظ سے کم زور ہوتے ہیں یا ان میں وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں جو قرآن نے بیان کی ہیں۔ یہ ان کی اخلاقی فتح تھی۔ اس اخلاقی بلندی کا ثبوت آپ کو بھی دینا چاہیے۔

اس میں شک نہیں، ملکی نظام اور اس کے قوانین میں آپ کے لیے بعض رکاوٹیں بھی ہیں۔ ان پر قابو پانے کی آپ کو تدبیر کرنی ہوگی۔ یہ آپ کی دینی ذمہ داری

ہے، لیکن زندگی کے جس دائرہ میں آپ اسلام پر عمل کر سکتے ہیں اور یہ دائرہ خاصا وسیع ہے، اس پر عمل کے آپ بہ ہر حال مکلّف ہیں۔ اس میں غفلت اور کوتاہی کے لیے آپ جواب دہ ہوں گے۔ اس سلسلے میں کوئی عذر اللہ کے ہاں نہیں سنا جائے گا۔

اس سلسلے کی دوسری چیز ہمارا اتحاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے ماننے والوں کو ایک 'امت' بنایا، ان کے درمیان اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول کی سنت کی بنیاد پر اتحاد پیدا کیا، ان کے دیرینہ اختلافات اور قدیم عداوتوں کو ختم کیا، ان کو اخوت کے رشتہ میں منسلک کیا اور انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر احسان عظیم تھا، اسے یادرکھنے کا حکم دیا گیا:

> وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
>
> (آل عمران: ۱۰۳)
>
> (اللہ کے اُس احسان کو یادرکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے گڑھے (دوزخ) کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہیں کھول کر بیان کرتا ہے، شاید کہ تمھیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔)

جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اہل ایمان کی تائید اور حمایت اور ان کے اتحاد و قلبی وابستگی کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے:

> هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ

قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۶۳﴾

(الانفال: ۶۲، ۶۳)

(وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے۔ تم روئے زمین کی ساری دولت خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔ یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔)

یہ اس امت کا ابتدائی دور تھا اور اب اس وقت پوری امت مختلف گروہوں میں منقسم ہے۔ مسلم ممالک جغرافیائی لحاظ سے بٹے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ملک اپنی برتری کے لیے کوشاں ہے اور اسی کے لیے تگ و دو کر رہا ہے۔ کسی دوسرے کو ابھرتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ اسے وہ اپنا حریف تصور کرتا ہے۔ پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ یہ امت، جسے متحد ہونا چاہیے تھا، ایک دوسرے سے برسر پیکار ہے اور ان کا رشتۂ اخوت خون سے رنگین ہو رہا ہے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اس میں بیرونی طاقتوں کا عمل دخل ہے، لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہم جانتے بوجھتے ان کی سازشوں کا شکار ہیں۔ وہ ہمیں لڑانا چاہ رہی ہیں اور ہم لڑ رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ ہتھیار فراہم کر رہی ہیں اور ہم اپنے ہی لوگوں کے خلاف انھیں استعمال کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کب تک امت ان سازشوں کا شکار رہے گی اور کب ان سے نجات پائے گی؟

امت کے درمیان فقہی اختلافات بھی ہیں۔ ان اختلافات کو ہوا دینے اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور ہم استعمال ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ ہم سب بہ خوبی جانتے ہیں کہ یہ اختلافات فروعی اور

جزوی نوعیت کے ہیں اور دورِ اوّل سے چلے آرہے ہیں اور ہر ایک کے پاس کتاب و سنت کے دلائل ہیں۔ ان اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں، لیکن یہ بھی ہمیں ایک ہونے نہیں دے رہے ہیں۔

قرآن کی ہدایت ہے کہ امت کے دو گروہوں میں اختلاف پید ہو جائے اور نوبت کشت و خون کی آ جائے تو امت کنارہ کش اور غیر جانب دارانہ رہے، بلکہ ان کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کرے اور حق و انصاف کا ساتھ دے۔ جو گروہ اس کے لیے آمادہ نہ ہو اس کے خلاف اپنی قوت استعمال کرے اور اللہ کے قانون کے مطابق جو فیصلہ ہو اس کا پابند بنائے۔ اس کے بعد فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾ (الحجرات:۱۰)

(اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں کے درمیان (نزاع پیدا ہو جائے تو) صلح صفائی کرادو۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس سے امید ہے تم پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی۔)

افسوس کہ اس ہدایت پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ ہمارے درمیان بڑے بڑے اختلافات رونما ہوتے ہیں اور ان کو ختم کرنے کی سعی نہیں کی جاتی۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ امت کے باہم اختلافات سے اسے سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی حیثیت مجروح ہو رہی ہے اور کہیں بھی اس کا وزن محسوس نہیں کیا جا رہا ہے۔ ان اختلافات کو ختم کرنے کی کہیں کہیں کوشش ہوتی نظر آتی ہے، لیکن ابھی کام یابی کی منزل بہت دور ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو کوشش ہو، قرآن و حدیث کی بنیاد پر ہو، ان کے قائم کردہ اصول و فروع کے فرق کو پیش نظر رکھا جائے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ یہ بات

فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور نکتہ پر امت کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کام ذمہ دار افراد اور جماعتوں کے بھی کرنے کا ہے اور سیاسی سطح پر بھی یہ کوشش ہونی چاہیے۔

مسلمانوں کی وہ تنظیمیں جن کو سیاسی طاقت حاصل نہیں ہے، جو امت کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کام کررہی ہیں، ان میں سے ہر ایک کا دائرۂ کار الگ ہوسکتا ہے، کم از کم مشترکہ مسائل کو حل کرنے کے لیے وہ ایک ہوسکتی ہیں، لیکن اس کے لیے جس کسر وانکسار اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے وہ شاید ہم میں نہیں ہے۔ موجودہ حالات میں جن لوگوں کو اس کا احساس ہے کم از کم وہ پیش قدمی کریں، اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں اتحادِ امت پر زور دیں، اختلافات و نزاعات کے نقصانات واضح کریں اور مشترکہ امور میں عملاً اتحاد کا مظاہرہ کریں۔ امید ہے اس سے آگے کی راہیں کھلیں گی۔

قوموں کی زندگی میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں۔ وہی قوم کام یابی سے ہم کنار ہوتی ہے جس کے اندر اپنی ناکامی کو کام یابی سے بدلنے کا حوصلہ ہو۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ قرآن مجید نے سورۂ آل عمران اس پر تفصیل سے تبصرہ کیا ہے اور شکست کے اسباب اور ان کا علاج تجویز کیا ہے۔ اس سورت کی آخری آیت میں ہم سب کے لیے موجودہ حالات میں بہترین راہ نمائی ہے۔ فرمایا: يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا (اے ایمان والو صبر کرو) صبر میں استقامت اور پامردی کا تصور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے موقف پر جمے رہو اور استقامت کا ثبوت دو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: 'وَصَابِرُوْا' صبر اور استقامت میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ یہی مسابقت کا اصل میدان ہے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تمہارا حریف میدان میں موجود ہے۔

اس نے راہِ فرار اختیار نہیں کی ہے۔ وہ باطل کے لیے لڑ رہا ہے اور ہر حال میں تمہیں ختم کرنے کے درپے ہے۔ ایسے میں تمہیں دین حق پر اس سے زیادہ استقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔ آگے فرمایا: وَرَابِطُوا اور آپس میں جڑے رہو۔ رباط محاذ جنگ پر جمے رہنے کا نام ہے۔ جس طرح فوج میدان کارزار میں صف بستہ رہتی ہے اور اپنے کمانڈر کے حکم پر حرکت کرتی ہے، اسی طرح تمہیں بھی اتحاد کا ثبوت دینا چاہیے۔ آیت کے آخری الفاظ ہیں: وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اس کا مطلب ہے: ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اس کی نافرمانی سے بچو۔ یہی فلاح و کامرانی کا راستہ ہے۔ اس کے علاوہ فلاح کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

دعا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی ان ہدایات پر عمل کی توفیق سے نوازے۔